Open Access (ISSN: Print: 3106-8111/ Online: 3106-812X)
Al-Naza'ir Journal of Modern Religious Discourses (NJMRD)
Vol: 02, Issue: 01, 2026, Pages: 12-29 (Publishing Date: 30-June-2026)

# اقوام ومذاہبِ عالم میں عورت کی معاشرتی وسماجی حیثیت اور حقوق ومقامِ نسواں کا اسلامی تصور: تجزیاتی مطالعہ

# The Social Status of Women across World Civilizations and Religions, and the Islamic Concept of Women's Rights and Dignity: An Analytical Study

**1. Dr. Tahir Masood Qazi**
Former Chairman, Dept. of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore, Pakistan.
drtmqazi@lgu.edu.pk

**2. Dr. Nayab Gul**
Department of Islamic Studies, Virtual University of Pakistan.
nayab.gul@vu.edu.pk

## Abstract

In the contemporary era, the Muslim Ummah faces dual challenges: internal discord and external ideological assaults, particularly from Western intellectual circles influenced by Jewish and Christian thought. These forces continue to wage cultural, intellectual, and psychological struggle against Islam, leading some Muslim thinkers to adopt Western ideas uncritically and advocate for altering Islamic principles. Before Islam, women across various civilizations were subjected to oppressional behaviors, less basic rights, and conduct as lower beings. Islam emerged as a transformative force, restoring the dignity, rights, and honor of women, and establishing a balanced and just family system. It recognized men and women as equal partners in the construction of family life, ended harmful pre-Islamic practices such as female infanticide, protected women's rights in marriage and divorce, ensured their financial security, and granted them inheritance rights. Islam also emphasized compassionate treatment of parents, especially mothers, throughout all stages of life. An objective and impartial assessment of Islamic family law reveals that no other civilization has provided women with such comprehensive rights and protections. The strength of nations is inherently tied to the strength of their family systems, which act as the primary institution for nurturing, training, and shaping individuals an institution that no alternative system can replace.

**Keywords**: Islamic family system, women's rights, Western influence, pre-Islamic era, cultural invasion, inheritance rights, marriage and divorce, Islamic civilization, moral upbringing, Muslim Ummah challenges.

## تمہید

نسلِ آدم علیہ السلام مرد اور عورت کے مجموعے کا نام ہے اور بحیثیت انسان تمام محترم ہیں۔ انسانیت کے وجود کی ترجمانی کا ایک حصہ اگر مرد کے پاس ہے تو دوسرا حصہ عورت کے پاس ہے۔ دنیا میں کوئی معاشرہ ایسا پایا نہیں جاتا ہے جہاں صرف مردوں کا وجود ہو اور نہ ہی ایسا اس کے برعکس دیکھنے کو ملتا ہے تو معلوم ہوا کہ معاشرہ کے وجود کا احیاء مرد وزن کے مجموعے کا محتاج ہے۔ علاوہ ازیں معاشرے کی تعمیر وترقی میں مرد کے کلیدی کردار کے ساتھ عورت کا کردار بھی بڑی

اہمیت کا حامل ہے کیونکہ نسلِ نو کی حیات و تربیت عورت ہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ماں کی گود کو انسان کی پہلی درسگاہ قرار دیا گیا ہے اور یہ سارا نظامِ حیات عائلی زندگی کے عنوان سے معروف و مشہور ہے۔

عائلی نظامِ زندگی کسی بھی قوم کی تعمیر میں خشتِ اول کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ وہ گہوارہ ہے جہاں آنے والے کل کے معمار اور پاسبان پرورش پاتے ہیں نیز یہ وہ تربیت گاہ ہے جہاں اخلاق و کردار کی قدریں افراد کے دِل و دِماغ پر نقش ہوتی ہیں اور یہی نقوش دیر تک مرتسم یعنی باقی رہتے ہیں، یہی وجہ ہے اسلام سمیت تمام مذاہب میں عائلی نظامِ زندگی کو بہت اہمیت دی گئی ہے تو اس سلسلے میں عائلی زندگی کی تعمیر و تشکیل میں اقوامِ عالم کے خیالات و نظریات درج ذیل بنیادوں پر جانے جاسکتے ہیں۔

- عورت کے وجود کی حیثیت
- نکاح کا تصور
- طلاق کی شرح
- والدین کے ساتھ سلوک

## عورت کی معاشرتی حیثیت کا تاریخی مطالعہ: مختلف تہذیبوں کے تناظر میں

اگر انسانی معاشرے کو کسی گاڑی سے تشبیہ دی جائے تو مرد اور عورت اس گاڑی کے دو پہیئے ہیں۔ لیکن تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عورت ہر دور اور زمانے میں ظلم وستم کا شکار رہی ہے اور اپنے بنیادی حقوق سے بھی محروم رہی ہے۔ ذیل میں مختلف طبقات کے معاشروں میں عورت کی انھی کرداروں کو مختصر اجامع انداز میں بیان کیا جارہا ہے۔

### I. یونانی تہذیب میں عورت کی معاشرتی حیثیت

معاصر مغربی تہذیب کی سرشت میں یونانی فکر و معاشرت اور رومی قانون و معاشرت بنیاد کے طور پر کار فرماہیں۔ یونانی معاشرت میں عورت تمام حقوق سے محروم تھی۔ ان کے اساطیری ادب (Mythology) میں ایک خیالی عورت پانڈورا(Pandora) کو انسانی مصائب کا موجب قرار دیا گیا تھا۔ بازاروں اور شہروں میں عورتوں کی کھلے عام خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اسے کسی چیز کا کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ حتیٰ کہ اپنے ذاتی معاملات میں کسی بھی قسم کا تصرف کرنے کی وہ مجاز نہ تھی۔ عورت مردوں کی دست نگر تھی۔ یونانی سوسائٹی میں عورت کی کوئی وقعت اور کوئی مقام اس کی شایانِ شان نہ تھا۔ یونانی اپنے دورِ عروج میں اخلاقی خرابیوں کا شکار تھے۔ مرد اخلاقی اعتبار سے آزاد تھے۔ سقراط جو اس دور کا مشہور فلسفی جانا جاتا تھا، وہ عورت کے بارے میں کہتا ہے کہ:

> "عورت سے زیادہ فتنہ و فساد کی چیز دنیا میں کوئی نہیں وہ دفلی کا درخت ہے کہ بظاہر بہت خوب صورت معلوم ہوتا ہے لیکن اگر چڑیا اُس کو کھالیتی ہے تو وہ مر جاتی ہے۔"[1]

ڈاکٹر خالد علوی یونانی تہذیب میں عورت کی اپنے گھر میں قدر و منزلت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "بحیثیت مجموعی باعصمت یونانی بیوی کا مرتبہ انتہائی پست تھا۔ اس کی زندگی غلامی میں بسر ہوتی تھی۔ لڑکپن میں اپنے والدین کی، جوانی میں اپنے شوہر کی، بیوگی میں اپنے فرزندان کی وراثت میں ہوتی تھی۔ اس کے مقابلے میں اس کے مرد وغیرہ کا حق ہمیشہ راجح سمجھا جاتا تھا۔ طلاق کا حق اسے قانوناً حاصل ضرور تھا، تاہم عملاً وہ اس سے کبھی فائدہ نہیں اٹھاسکتی تھی کیوں کہ عدالت میں اس کا ظہار یونانی ناموس وحیا کے منافی تھا۔"[2]

اس سلسلے میں ایک مشہور غیر مسلم ڈاکٹر گستاؤلی بان کی شہادت ملاحظہ فرمایئے:

> "یونانی عموماعورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے...، اسپارٹا میں اس بدنصیب عورت کو، جس سے کسی قومی سپاہی پیدا ہونے کی امید نہ ہوتی، مار ڈالتے، جس وقت کسی عورت کے یہاں بچہ پیدا ہو چکا ہوتا تھا تو ملکی فوائد کی غرض سے اس عورت کو دوسرے شخص کی نسل لینے کے لیے اس کے خاوند سے عاریتاً لے لیتے تھے۔"[3]

ڈاکٹر گستاؤلی بان مزید لکھتے ہیں:

"یونانی اپنے اعلیٰ سے اعلیٰ تمدن کے زمانے میں بھی بجز طائفہ کے کسی عورت کی قدر نہیں کرتے تھے۔"[4]

اسی طرح اہل یونان بھی عورت کو دیوی دیوتاؤں کے سامنے اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قربان کر دیا کرتے تھے اس حوالے سے پیر کرم شاہ الازہری "ضیاء النبی ﷺ" میں لکھتے ہیں:

"اہل یونان دیوتاؤں کے مندروں میں بڑے قیمتی نذرانے پیش کرتے تھے اور منقولہ وغیر منقولہ جائدادیں ان کے نام وقف کی جاتی تھیں، خاص مشکل کے حل کے لیے انسانی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا جاتا، ایگامیمنون 'ٹرائے کی جنگ میں یونانیوں کا سپہ سالار تھا وہ چاہتا تھا کہ دیوی آرٹومس اس پر مہربان ہو جائے جس نے غلط سمت میں ہوائیں چلا کر ٹرائے کے خلاف اس کی مہم میں رکاوٹ پیدا کر رکھی تھی، چنانچہ اس نے اس دیوی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنی جواں سال بیٹی اپنی گنیا کو اس کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا۔"[5]

عبدالصمد صارم پروفیسر ہنری مارٹن کے حوالے سے رقمطراز ہیں کہ:

"یونانی عورت عمر بھر پابند رہتی تھی، اس کو اپنی ذات پر کسی قسم کا اختیار نہ تھا، وہ اپنے معاملات میں کسی قسم کا تصرف نہ کر سکتی تھی۔"[6]

گویا یونانی معاشرے میں عورت کی حیثیت نہایت کمتر تھی اور اس معاشرے میں اسے کوئی بھی حق حاصل نہ تھا۔

## II. رومی تہذیب میں عورت کی معاشرتی حیثیت

یونانیوں کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا، وہ اہل روم تھے، رومی معاشرے کو تہذیب و تمدن کا گہوارہ تصور کیا جاتا ہے، لیکن اس معاشرے میں بھی عورت کو اس کی حیثیت اور حقوق سے محروم رکھا گیا ہے۔ ولادت سے لے کر وفات تک بیچاری کی حیثیت محض ایک قیدی کی سی رہی، یونانیوں اور ہندوستانیوں کی طرح رومیوں کے دل بھی عورت کے معاملے میں رحم و مروّت سے قطعی محروم تھے، سنگدلی اور شقاوت قلبی کا عالم یہ تھا کہ عورت کو اپنی عصمت و عفت اور ناموس و حیا کے تحفظ کے لیے کوئی حقوق حاصل نہ تھے، مرد کو اپنی بیوی کے چال چلن کے متعلق اگر رائی بھر شبہ ہو تا تو وہ اسے قانونی طور پر موت کے گھاٹ اُتار دینے کا حق رکھتا تھا۔ اس کی موت کے لیے وہ کیا آلہ یا ذریعہ اختیار کرے، اس بارے میں بھی مرد کو اپنی خواہش پر مکمل اختیار تھا۔[7]

تاریخ اخلاق یورپ کا مؤلف لکھتا ہے:

"قانون نے عورت کے شخصی استقلال کو تسلیم نہیں کیا تھا، اس کی حیثیت ایک غلام کی تھی، وہ باپ کی غلامی سے نکل کر خاوند کی غلامی میں آجاتی، اس کے کوئی حقوق تھے نہ خاوند کے فرائض، باپ کو اختیار تھا کہ وہ بیٹی کی شادی جہاں چاہے کرے، اور اگر اس کی مرضی نہ ہو تو عین شادی کی رسوم کے وقت اسے منسوخ کر سکتا تھا۔"[8]

مولانا ابوالکلام آزاد، رومن سلطنت کے زوال میں عورت کی حیثیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رومانی مردوں نے اپنی عورتوں پر گوشت کھانا، ہنسنا بولنا اور بات چیت کرنا بھی حرام قرار دے دیا، یہاں تک کہ ان کے منہ پر "موزسیر" نامی ایک مستحکم قفل لگا دیا، تاکہ وہ کہنے ہی نہ پائے۔ یہ حالت صرف عام عورتوں کی نہیں تھی بلکہ رئیس و امیر، کمینے اور شریف، عالم و جاہل سب کی عورتوں پر ہی آفت طاری ہوئی۔"[9]

رومیوں کے ہاں عورت کو ہر قسم کے مذہبی، قانونی و اخلاقی حقوق سے محروم رکھا گیا تھا، وہ جنس کی طرح کی چیز تھی جو کسی کی ملکیت ہوتی ہے، جائیداد کی طرح اُسے بھی خرید و فروخت اور لین دین کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ بقول مولانا عبدالقیوم ندوی:

"رومی، عورت کو شوہر کی ملکیت قرار دیتے تھے اور مجملہ جائیداد منقولہ میں اسے بھی شمار کرتے تھے۔"[10]

سید جلال الدین، روم میں عورت کی حیثیت و حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"غلاموں کی طرح عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا، مرد اسی غرض سے شادی کرتا تھا کہ بیوی سے فائدہ اُٹھاسکے گا، وہ کسی عہدہ کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی، حتیٰ کہ کسی معاملے میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہیں تھا۔ رومی سلطنت میں اس کو قانونی طور پر کوئی حق حاصل نہ تھا۔"[11]

اہل روم کے یہاں بھی عورت کی کم وبیش وہی حالت تھی جو یونانیوں کے یہاں تھی۔ نظامِ معاشرت میں مرد خاندان کا سردار ہوتا تھا اور اپنے خاندان پر مکمل اختیار رکھتا تھا۔ گھر سے باہر بھی عورت کی وہی حالت تھی جو گھر کے اندر تھی۔

ان اقتباسات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اہل روم بھی یونان والوں کی طرح عورت کے حقوق کی ادائیگی کے منکر تھے بلکہ یہاں یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اہل روم تو عورت کو وراثتی حقوق دیناتو در کنار بلکہ اُسے جائیداد کا حصہ شمار کرتے تھے۔

## III. عرب معاشرے میں عورت کی حیثیت

دنیا کے مختلف معاشروں میں بنیادی خرابی اس امر سے پیدا ہوئی کہ عورت اور مرد کے درمیان تخلیقی طور پر امتیاز رکھا گیا، اور عورت کو ہمیشہ کم تر اور کم اہم سمجھا گیا جبکہ مرد برتر اور اہم حیثیت کا حامل رہا۔ یہی وجہ تھی کہ قبل از اسلام عورت کو اس کے بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم رکھا گیا، یہ صنف بھیڑ بکریوں کی طرح بکتی تھی، ظلم کی انتہا یہ تھی کہ بعض اوقات لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ در گور کر دیا جاتا تھا، کیونکہ اس کی پیدائش نہ صرف منحوس تصور کی جاتی تھی، بلکہ باعث ذلت سمجھی جاتی تھی۔ قرآن مجید نے اس بھیانک منظر کی یوں عکاسی کی ہے۔

﴿وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِیْمٌ۔ یَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَیُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ﴾[12]

"اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے تو اس کا چہرہ غم کے سبب کالا پڑ جاتا ہے، اور اس کے دل کو دیکھو تو وہ اندوہناک ہو جاتا ہے، اور اس جز کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں دفنا دے۔"

قابلِ تعجب امر یہ ہے کہ ایک طرف تو عرب بچیوں کی پیدائش کو اپنے لیے منحوس گردانتے تھے جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کے لیے اُن کے ہاں یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں یا انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیے بغیر عورتوں کی صف میں شمار کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓىٕكَةِ اِنَاثًا﴾[13]

"بھلا کیا تمھارے رب نے تمھیں تو بیٹے دینے کے لیے چن لیا ہے اور خود اپنے لیے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے۔"

﴿فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَۙ۔ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓىٕكَةَ اِنَاثًا وَّ هُمْ شٰهِدُوْنَ﴾[14]

"اب ان سے پوچھ کہ کیا تمھارے رب کے حصے میں تو بیٹیاں آئی ہیں اور خود ان کے حصے میں بیٹے؟ یا پھر جب ہم نے فرشتوں کو عورت بنایا تھا تو کیا یہ دیکھ رہے تھے؟"

﴿وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓىٕكَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ﴾[15]

"اس کے علاوہ انھوں نے فرشتوں کو جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، مؤنث بنادیا ہے کیا یہ لوگ اُن کی تخلیق کے وقت موجود تھے۔"

مولانا مودودی عورت کے وراثتی حقوق کے حوالے سے عربوں کی روش کو بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عربوں میں عورتوں اور بچوں کو میراث سے ویسے ہی محروم رکھا جاتا تھا اور لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ میراث کا حق صرف ان مردوں کو پہنچتا ہے جو لڑنے اور کنُبے کی حفاظت کرنے کے قابل ہوں، اس کے علاوہ مرنے والوں کے وارثوں میں جو زیادہ طاقت ور اور بااثر ہوتا تھا وہ بلا تامل ساری میراث سمیٹ لیتا تھا۔"[16]

جناب عبد الصمد صارم کے بقول عربوں میں عورتوں کو حق ملکیت ہی سرے سے حاصل نہ تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

"عرب میں عورت ایک قابلِ استعمال شے سمجھی جاتی تھی، تعدد ازدواج کی کوئی حد مقرر نہ تھی، بعض شریر، عورتوں کو برسوں معلق کر کے رکھتے تھے، ترکہ میں عورت کا کوئی حق نہ تھا، وہ کسی چیز کی مالک نہ تھی۔"[17]

ڈاکٹر محمد صلیبی لکھتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے ہاں وراثت کا کوئی مستقل نظام نہیں موجود تھا بلکہ اس بارے میں وہ قدیم روایات پر عمل پیرا تھے اور وہ روایات یہ تھیں کہ میراث میں صرف مردوں کو جو جنگجو ہوں، انھیں حصہ دیا جاتا تھا اور اس کے علاوہ بچوں اور عورتوں کو میراث میں سے کچھ بھی نہیں دیا جاتا تھا:

"إن العرب فی الجاہلیۃ، لم یکن لہم نظام ارث مستقل أو خاص بہم، إنما ساروا علی نہج الأمم الشرقیۃ. فالمیراث عندہم خاص بالذکور القادرین علی حمل السلاح والذود دون النساء و الأطفال، ذلك لأنہم أہل غارا ت وحروب."[18]

گویا عرب معاشرے میں بھی عورت کی کوئی قدر و منزلت نہ تھی اور اُس کی حیثیت ایک لونڈی کی مانند تھی۔

## IV. موجودہ مغربی معاشرت میں عورت کی حیثیت

موجودہ مغربی معاشرے میں بظاہر عورت آزاد اور خود مختار نظر آتی ہے۔ لیکن اس آزادی اور خود مختاری نے عورت کو اطمینان، آسائش اور سکون دینے کی بجائے اس کی زندگی مشکل کر دی ہے۔ ایک مربوط اور باقاعدہ عائلی نظام موجود نہ ہونے کے باعث عورت کو گھر اور بچے نہ صرف خود سنبھالنے پڑتے ہیں بلکہ اخراجات کے لیے رقم کا انتظام بھی کرنا پڑتا ہے۔ وہ گھر بھی سنبھالتی ہے اور اسے کمانا بھی پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں فری سیکس کے نظریے نے اسے محض ایک تفریح کا سامان (Object) بنا کر رکھ دیا ہے۔ اس ضمن میں کوئی بھی مرد اس کی باقاعدہ ذمہ داری نہیں اٹھاتا اور وہ اس معاملے میں بھی جسمانی، روحانی اور ذہنی اذیت سے گزرتی ہے۔ عصری اقوام کی جنسی بے راہروی کی صورت حال کا نقشہ کھینچتے ہوئے معاذ حسن لکھتے ہیں:

"راقم الحروف کے اکثر دوست یورپ اور سیکنڈے نیویا کے ممالک مثلاً سویڈن، ڈنمارک، ناروے اور فن لینڈ میں عرصہ دراز سے مقیم ہیں۔ اور میں خود بھی ان ممالک میں رہ کر آیا ہوں۔ دوستوں سے مختلف مجالس میں کی گئی گفت و شنید اور ذاتی مشاہدے سے پتہ چلا کہ سیکنڈ نیویا کے ممالک میں اس قدر جنسی بے راہروی ہے کہ دیگر یورپی ممالک از قسم برطانیہ اور فرانس وغیرہ کے باشندے ان کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔ سیکنڈ نیویا کے چاروں ممالک کو Free Sex قرار دیا گیا ہے۔ یہاں فری کے معنی آزادی کے بھی ہیں اور مفت کے بھی، کیونکہ ان ممالک میں باہمی رضامندی سے جنس مخالف یا اپنی ہی جنس کے افراد کے ساتھ ہر قسم کے جائز، ناجائز جنسی تعلقات کی اس قدر آزادی ہے کہ وہاں کسی کو معاوضہ طے کر کے کسی مرد یا عورت کے ساتھ جنسی تعلقات استوار کرنے کی نوبت کم کم ہی آتی ہے۔"[19]

یورپ میں عائلی زندگی کی تباہی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ وہاں کئی ملکوں میں اپنی ہی جنس سے شادی کے ذریعے جنسی عمل کیا جاتا ہے اور بعض ملکوں میں اس کے جواز کو قانونی حیثیت بھی دی گئی ہے۔ مثلاً: "1965ء میں ہالینڈ میں باقاعدہ طور پر دو مردوں کی شادی ہوئی تھی۔ اس شادی کی رسم یعنی نکاح گرجا گھر میں پادری نے ادا کی تھی۔"[20]

اسی طرح ماہنامہ محدث میں مضمون نگار محمد عطاء اللہ صدیقی لکھتے ہیں:

"مغرب میں عورتوں میں ہم جنس پرستی کا رواج در حقیقت مردوں سے نفرت کا اظہار اور ان کے مزعومہ تاریخی ظلم و ستم کے خلاف شدید ردعمل ہے ان عورتوں کے خیال میں مردوں کی رفیقہ حیات بننا ان کی جنسی غلامی قبول کرنے کے مترادف ہے۔"[21]

اگرچہ اکثر ممالک میں عائلی زندگی کا تصور بصورت نکاح ملتا ہے مگر اُس کی عصری صورت حال کی بابت وہاں کے مفکرین لکھتے ہیں کہ عائلی زندگی میں جن خصوصیات کے حامل زوجین کو ہونا چاہیے، وہ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں۔ مزید یہ کہ وہ بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ عائلی زندگی کا استحکام ہی اقوام عالم کی تعمیر و ترقی میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔

رسالہ ترجمان القرآن کے مضمون "عالمی معاشرے میں شادی اور خاندان کا مرکزی کردار" میں مضمون نگار مشہور امریکی پروفیسر آف لاء رچرڈ جی وائکنز (ڈائریکٹر دی ورلڈ فیملی پالیسی سینٹر) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"امریکی اور یورپی کنبے جہاں جدید اصلاحات کا نفاذ سب سے پہلے ہوا، اب شکست وریخت کا شکار ہو چکے ہیں اور نتیجتاً ان کے عدم استحکام نے جاری معاشرتی ترقی کو خطرے میں ڈال دیا ہے، جوں جوں گلوبیائی عمل آگے بڑھتا جارہا ہے، دنیا کو شادی اور عائلی زندگی کے بارے میں مغرب کی رہنمائی کو بہ نظر تشویش دیکھنا چاہیے۔ رواں مغربی تجربہ بتارہا ہے کہ مضبوط وپائیدار شادیاں، خاندان عورتوں اور بچوں کے تحفظ کے لیے لازمی ہیں لہٰذا گلوبیائی کوششوں کو عائلی اور خاندانی استحکام کو مضبوط بنانا چاہیے نہ یہ کہ وہ اس کی بیخ کنی کریں۔"[22]

اسی طرح یورپ میں عائلی نظام زندگی کے تباہی کی ایک وجہ شرح طلاق کا بے حد اضافہ بھی ہے جس کا سب سے بڑا سبب بھی جنسی بے راہروی ہے اور ظاہر ہے کہ فطرت کے خلاف عمل انسان کو بہت سے مہلک بیماریوں میں بھی مبتلا کر دیتا ہے اور یہ بیماریاں عائلی زندگی کی دیوار میں دراڑیں پیدا کرتی ہیں۔ ڈاکٹر شاہدہ پروین، صدر جمی کارٹر کے حوالے سے اپنی کتاب "عصری عائلی مسائل" میں لکھتی ہیں:

"ہمارے ہاں طلاق اب خطرناک حد تک عام ہو چکی ہے تمام امریکی بالغوں میں سے پچیس فیصد میں کم از کم ایک مرتبہ طلاق ہو چکی ہے۔ امریکہ میں اسقاطِ حمل بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ سوزاک اور ایڈز جیسی خطرناک بیماریوں کی شرح بھی زیادہ ہے۔"[23]

چونکہ عائلی زندگی کے مرکزی کردار میاں بیوی ہوتے ہیں لہٰذا جب اُن میں وفا، محبت، پیار، خلوص اور احترام کا رشتہ مفقود ہو تو عائلی زندگی کے دیگر اراکین یعنی اولاد میں والدین کے لیے ایسے جذبات بھی ناپید ہو جاتے ہیں۔ یورپ میں اولڈ ہاؤسز کا قیام اسی کا شاخسانہ ہے۔ مولانا مودودی اسی حقیقت کو آشکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وہ ملک کیسے ترقی کر سکتا ہے جس میں بچوں کو روزِ اول سے ہی ماں اور باپ کی محبت نصیب نہ ہو اور جن بچوں کو ماں باپ کی محبت نصیب نہیں ہوتی وہ حقیقت میں انسان بن کر نہیں اٹھتے۔ آج دنیا میں جو ظلم وستم ہو رہا ہے اور کم سنی کے جرائم نے معاشرے کے لیے ایک پریشان کن مسئلہ پیدا کر دیا ہے اس کا سبب یہی ہے کہ اب دنیا کی بھاگ دوڑ ان نسلوں کے ہاتھ آرہی ہے جنھوں نے ماں باپ کی محبت نہیں دیکھی۔ یہ بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو پھر ماں باپ کو بھی ان سے کوئی محبت نہیں ملتی اور جہاں خون کے رشتوں تک میں محبت نہ ہو، وہاں انسانی محبت کا کیا سوال؟ ایسے انسان تو خود غرضی کے پتلے اور آدمیت کے احساسات سے خالی ہی ہوں گے۔"[24]

مذکورہ بالا بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مغربی معاشرے میں ایک مربوط عائلی و معاشرتی نظام کی عدم دستیابی نے عورت کے لیے بطور ماں، بیٹی، بیوی اور بہن، ہر حیثیت میں بہت سے مسائل پیدا کیے ہیں اور اس کی زندگی اجیرن بنادی ہے۔ نیز عورت معاشرے میں برابر حیثیت اور آزادی رکھنے کے باوجود اپنے اصل حقوق وضروریات حاصل نہیں کر پا رہی۔

## مذاہبِ عالم میں عورت کا معاشرتی مقام

### I. ہندو معاشرے میں عورت کی حیثیت

اپنے قدیم تمدن پر نازاں ہندوستان، کے مذہب ہندومت نے بھی عورت کی حیثیت پامال کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ ہندو مذہب میں عورت کی حیثیت یہ تھی کہ اس کی کسی بات کو معتبر نہیں سمجھا جاتا تھا، جھوٹ اور عورت کو ایک ہی سکے کے دو رُخ کی طرح قرار دیا گیا تھا۔ منوسمرتی میں واضح درج ہے کہ:

"جھوٹ بولنا عورتوں کا ذاتی خاصہ ہے۔"[25]

عورت کا بچپن ہو، جوانی ہو یا کہ بڑھاپا، وہ محکومی اور غلامی کی زندگی ہی گزارے گی۔ کبھی بھائی کے احکام کی پابند، کبھی باپ کی حکمرانی اور کبھی شوہر کی غلامی ہی اس کی زندگی کا مقدر ہو گا۔ منوسمرتی میں ہے کہ:

"عورت نابالغ ہو، جوان یا بڑھی ہو، گھر میں کوئی کام خود مختاری سے نہ کرے، عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے، اور جوانی میں اپنے شوہر کے اختیار میں اور بعد میں اپنے شوہر اور بیٹے کے اختیار میں رہے، خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے۔"[26]

"ستی" جیسی بھیانک رسم ہندوستان کا خاصہ رہی ہے، ستی کا رواج اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہاں عورت کے مستقل وجود اور حیثیت کو تسلیم ہی نہیں کیا گیا، شادی سے پہلے وہ ایک بے زبان جانور کی سی تھی اور خاوند کی وفات کے بعد اس سے زندگی کا حق ہی چھین لیا جاتا تھا۔ رسم ستی کے بارے میں البیرونی رقم طراز ہیں:

"عورت کو، جب اُس کا شوہر مر جائے، بیاہ کرنے کا حق نہیں ہے اور اس کو دو حال میں سے ایک اختیار کرنا ہو گا، یا زندگی بھر بیوہ رہے یا جل کر ہلاک ہو جائے اور دونوں صورتوں میں سے یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ وہ مدت العمر عذاب میں رہے گی، ہندوؤں کا دستور یہ ہے کہ وہ راجاؤں کی بیویوں کو جلا دیتے ہیں، خواہ وہ جلنا چاہیں یا اس سے انکار کریں، تا کہ وہ ایسی لغزش سے، جن کا دن سے خوف ہے، محفوظ رہیں، راجہ کی بیویوں میں صرف بوڑھی عورتیں اور صاحبِ اولاد، جن کے بیٹے ماں کو بچائے رکھنے کی اور حفاظت کی ذمہ داری کریں، چھوڑ دی جاتی ہیں۔"[27]

ڈاکٹر خالد علوی ہندو مت میں عورت کی حالت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

"رسم ستی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں، عورت کو خلع اور وراثت کا کوئی حق نہیں، اس کے رشتہ دار جائیداد لیں گے، لیکن اس کو کوئی حصہ نہیں ملے گا، اسے مذہبی تعلیم سے بھی محروم کیا جاتا تھا، سنسکرت میں لڑکی کو "دوہتر" (دور کی ہوئی)' بیوی کو "پتنی" (مملوکہ) کہا جاتا ہے۔"[28]

جعفر حسین ہندو مت میں عورت کے وراثتی حقوق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"ہندوؤں میں مختلف مقامات پر مختلف خواتین اور ذاتوں کے لحاظ سے تقسیم جائیداد کے مختلف طریقے اور اصول ہیں، جن میں یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ عورت کو جائیداد سے یا تو سرے سے محروم کیا گیا یا پھر مرد سے کم تر حصہ دیا گیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کو ہندو معاشرے میں ہمیشہ سے کم تر درجہ دیا گیا ہے، اس کو ہر صورت میں محکوم رکھنا پسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔"[29]

## II. یہودی معاشرے میں عورت کی حیثیت

یہودیت الہامی مذاہب میں سے ایک قدیم مذہب ہے اور یہودی قوم اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم تھی مگر اس قوم نے نہ صرف اللہ تعالیٰ کے فرامین سے روگردانی کی بلکہ اس کے ساتھ کتاب الٰہی کی تحریف میں بھی پیش پیش رہے نیز یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام الہامی ادیان میں عورت کی قدر و منزلت کو بیان فرمایا ہے مگر جب اسلام سے ماقبل الہامی ادیان نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ کتابوں میں تحریف کی تو پھر عورت کی قدر و منزلت اور عائلی زندگی میں اس کے کردار کے حوالے سے درج ذیل باتیں دیکھنے کو ملتی ہے کہ عورت مکمل طور پر مرد کی غلام ہے اور اس کی محکوم ہے، وہ مرد کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی، حقوق ملنے کی بات تو ایک طرف رہی، اُسے تمام گناہوں کی جڑ قرار دیا گیا۔ بائبل کے مطابق واقعہ آدم علیہ السلام و حوّا میں "حوّا" کو مجرم قرار دیا گیا، اس لیے حوّا کی بیٹیاں ہمیشہ محکوم رہیں گی، عہد نامہ قدیم میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے دریافت کیا:

"کیا تو نے اس درخت کا پھل کھایا جس کی بابت میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ اسے نہ کھانا، آدم علیہ السلام نے کہا کہ جس عورت کو تو نے میرے ساتھ کیا ہے، اُس نے مجھے اس درخت کا پھل دیا اور میں نے کھایا، تب خداوند نے عورت سے کہا کہ تو نے یہ کیا کہا؟ عورت نے کہا کہ سانپ نے مجھ کو بہکایا تو میں نے کھایا، اور خداوند نے سانپ سے کہا اس لیے کہ تو نے یہ کیا، تو سب چوپایوں اور دشتی جانوروں میں ملعون ٹھہرا۔ تو اپنے پیٹ کے بل چلے گا اور اپنی عمر بھر خاک چاٹے گا، اور میں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا، وہ تیرے سر کو کچلے گا اور تو اس کی ایڑی پر کاٹے گا، پھر اُس نے عورت سے کہا کہ میں تیرے دردِ حمل کو بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رُغبت اپنے شوہر کی طرف ہو گی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔"[30]

گویا حوا نے ہی آدم علیہ السلام کو گمراہ کیا اس لیے اس جرم کی سزا اُسے یہ دی گئی کہ وہ حمل اور ولادت کے عمل سے انتہائی تکلیف دہ صورت کا سامنا کرے گی۔ علاوہ ازیں وہ ہمیشہ محکوم رہے گی اور مرد کا غلبہ اور اس کی حاکمیت اُس پر رہے گی اسی فلسفہ کا نتیجہ ہے کہ یہودی شریعت میں مرد کا اقتدار و تصرف اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ:

"اگر کوئی عورت خداوند کی منت مانے اور اپنی نوجوانی کے دنوں میں اپنے باپ کے گھر ہوتے ہوئے اپنے اوپر کوئی فرض ٹھہرائے اور اس کا باپ جس دن یہ سُنے، اسی دن اُسے منع کر دے تو اس کی کوئی منت یا کوئی فرض، جو اُس نے اپنے اوپر ٹھہرایا ہے، قائم نہیں رہے گا اور خداوند اس عورت کو معذور رکھے گا۔"[31]

یہودیت میں عورت کو جو حیثیت دی گئی ہے وہ کسی غلام و محکوم سے بڑھ کر نہیں، عورت مکمل طور پر مرد کی دست نگر ہے۔ وہ مرد کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتی، مرد جب چاہے اُسے گھر سے نکال دے طلاق دے دے، مگر عورت کبھی بھی مرد سے طلاق طلب نہ کرے یہاں تک کہ مرد میں بے پناہ ہی عیوب کیوں نہ ہوں۔ کتابِ استثنا میں ہے:

"اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے اور پیچھے اُس میں کوئی ایسی بے ہودہ بات پائے جس سے اُس عورت کی طرف اُس کی التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نہ لکھ کر اُس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے۔"[32]

یعنی اگر مرد کا اپنی عورت سے جی بھر گیا ہے تو وہ کسی بھی معاملے یا عمل کو بے ہودہ قرار دیتے ہوئے نہ صرف عورت سے جان چھڑا سکتا ہے بلکہ انتہائی تکلیف دہ صورت کے ساتھ اُسے ہمیشہ کے لیے علیحدہ کر سکتا ہے۔

یہودی معاشرے میں عورت وراثت جیسے حق سے بھی محروم تھی یعنی وراثت میں تو اُس کا کوئی حصہ نہ ہوتا تھا۔ عبد القیوم ندوی لکھتے ہیں:

"یہود کے قانون شریعت کے مطابق عورت کو مرد کے مساوی حقوق دینا تو ایک طرف رہا بلکہ مرد کو کھلی چھٹی دی کہ وہ اپنی بیوی پر ہر لحاظ سے بے جا برتری کا دعویدار ہو، عورت مہر کے علاوہ کسی چیز کی حقدار نہیں، معصیت اول چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوتی تھی اس لیے اس کو شوہر کا محکوم رکھا گیا اور شوہر اس کا حاکم ہے، شوہر اُس کا آقا اور مالک ہے اور وہ اس کی مملوکہ ہے۔"[33]

اسی طرح عبد الوہاب ظہوری مذہبِ یہودیت میں خواتین کے حوالے سے قانون وراثت پر بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"یہود کے قانون وراثت میں بیٹی کا درجہ پوتوں کے بعد آتا ہے، اگر کسی میت کا لڑکا نہ ہو تو وراثت پوتے کے لیے ہے، اور اگر پوتا بھی نہ ہو تو اس صورت میں وراثت لڑکی کی ہے۔"[34]

یہودیوں کے ہاں خواتین کی وراثت کی درجہ بہ درجہ تفصیل یہ ہے:

**بیٹی:** اگر شرعی وارثوں میں بیٹی بھی موجود ہو تو وہ صرف نان و نفقہ کی مستحق ہو گی لیکن اگر اُس کی شادی ہو جائے تو وہ صرف باپ کی جائیداد میں سے شادی کے اخراجات کی مستحق ہو گی۔[35]

**ماں:** اگر کسی عورت کا بیٹا یا بیٹی فوت ہو جائے تو ان کی ماں اپنی اولاد کی جائیداد کی وارث نہ ہو گی بلکہ جائیداد کا وارث میت کا بیٹا ہو گا اور اولاد کی عدم موجودگی میں میت کا باپ وارث ہو گا اور والد کی عدم موجودگی میں میت کا حقیقی بھائی اُس کا وارث ہو گا لیکن متوفی کی ماں بالکل وارث نہ ہو گی۔

"اذا مات الولد اولبنت فی حیاة الام فلا یؤول المیراث الی ورثة الولد اوالبنت."[36]

"اگر بیٹا یا بیٹی ماں کی زندگی میں فوت ہو جائے تو وراثت بیٹے یا بیٹی کے وارثوں کو نہیں ملتی۔"

**بیوی:** اگر خاوند اپنی بیوی سے پہلے فوت ہو جائے تو بیوی اپنے خاوند کی جائیداد کی وارث نہ ہو گی بلکہ بیوی کسی بھی صورت میں خاوند کے ترکہ کی وارث نہ ہو گی۔[37]

ڈاکٹر محمد صلیبی "میراث المراءۃ فی الاسلام" میں اسی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہودیوں کے ہاں وراثت میں مردوں کی موجودگی میں عورت کے لیے کوئی حصہ نہیں ہے جبکہ زوجہ کو کسی صورت میں بھی خاوند کی جائیداد سے کچھ بھی نہیں دیا جائے گا۔

"يتميز نظام الميراث عند اليهود بحرمان الإناث من الميراث، سواء كانت أماً أو أختاً أو ابنة أو غير ذلك إلا عند فقد الذكور، فلا ترث البنت مثلاً إلا في حال انعدام الابن.فيه تكلم نبي إسرائيل قائلاً: أيما رجل مات وليس له ابن تنقلون ملكه إلى ابنته أما الزوجة فلا ترث من زوجها شيئاً مطلقاً."[38]

یعنی یہودیوں میں وراثت کا نظام خواتین کو وراثت سے محروم کرنے کی خصوصیت رکھتا ہے، چاہے وہ ماں، بہن، بیٹی ہو یا دوسری صورت میں، سوائے اس کے کہ جب مرد ختم ہو جائیں۔ اس کی جائیداد اس کی بیٹی کو جاتی ہے، لیکن بیوی کو اپنے شوہر سے کچھ بھی نہیں ملتا۔ گویا یہودی معاشرہ عورت کے بنیادی حقوق کو بھی سلب کرتا ہے۔

## III. مسیحی معاشرے میں عورت کی حیثیت

عائلی نظام میں عورت کے کرداروں کے بارے میں عیسائیت کا بھی وہی تصور ہے جو یہودی نظریات میں ملتا ہے، کیونکہ عیسائیوں نے بھی احکام الٰہی میں یہودیوں کی روش اختیار کرتے ہوئے تحریف کی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ عورت کے ساتھ عیسائیت کی روش اور بھی زیادہ ناپسندیدہ تھی تو بے جا نہ ہو گا۔ ترتولیاں (Tertullian) جو ابتدائی دور کے ائمہِ مسیحیت میں سے تھا، اُس کے عورت کے بارے میں کیا نظریات کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجر ممنوع کی طرف لے جانے والی خدا کے قانون کو توڑنے والی اور خدا کی تصویر، مرد کو غارت کرنے والی ہے۔"[39]

کرائی سوسٹم (Chrysostum) جو مسیحیت کے اولیاء کبار میں شمار کیا جاتا ہے عورت کے بارے میں کہتا ہے:

"ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دسربائی، ایک آراستہ مصیبت۔"[40]

عیسائیت کے مطابق مرد حاکم اور عورت محکوم ہے، کیونکہ عورت در حقیقت مرد کے لیے بنائی گئی ہے، سو اس کی خدمت اور اطاعت اُس کا فرض ہو گا، جبکہ مرد چونکہ عورت کے لیے نہیں تخلیق ہوا، اس لیے اُسے عورت کی محکومی میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح پولس رسول تیمتھیس کے نام خط میں کہتا ہے کہ:

"عورت کو چپ چاپ کمال تابعداری سے سیکھنا چاہیے، اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے بلکہ چُپ چاپ رہے، کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا، اس کے بعد حوا، اور آدم نے فریب نہیں کھایا بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی۔"[41]

شاہ معین الدین ندوی عیسائیت میں عورت کی حالت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عورت سراپا فتنہ و شر سمجھی جاتی تھی، عابد و زاہد اُس کے سایے سے بھاگتے تھے، بڑے بڑے راہب اپنی ماں تک سے ملنا، اور اس کے چہرہ پر نظر ڈالنا معصیت سمجھتے تھے۔ رہبانیت کی تاریخ عورت سے نفرت کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔"[42]

مقالات صارم میں لکھا ہے کہ:

"کتاب مقدس عورت کو لعنتِ ابدی کا مستحق قرار دیتے ہیں۔"[43]

مختصر یہ کہ عیسائیت میں بھی عورت نہ صرف مظلوم رہی بلکہ محکوم بھی رہی اور صغیر سے عظیم تک کا ہر رشتہ اس انتظار میں رہا کہ اُسے انسان ہونے کے ناطے تو کم از کم تعظیم ملے۔

## IV. اسلامی تہذیب و معاشرت میں عورت کا مقام اور حیثیت

مذکورہ بالا ابحاث سے ثابت شدہ ہے کہ دنیا کے قریباً تمام خطوں، ادیان اور معاشروں میں عورت کو اچھی حیثیت و مقام حاصل نہ تھا بلکہ وہ بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم تھی۔ لوگ اسے اپنے عیش و عشرت کی غرض سے خرید و فروخت کرتے ان کے ساتھ حیوانوں سے بھی بُرا سلوک کیا جاتا تھا؛ حتیٰ کہ اہلِ عرب عورت کے وجود کو موجبِ عار سمجھتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔ ہندوستان میں شوہر کی چتا پر اس کی بیوہ کو جلایا جاتا تھا۔ بعض مذاہب عورت کو گناہ کا سرچشمہ اور معصیت کا دروازہ اور پاپ کا مجسم سمجھتے تھے۔ اس سے تعلق رکھنا روحانی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے۔ دنیا کے زیادہ تر معاشروں میں اسے حقیر و ذلیل نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کے معاشی و سیاسی حقوق نہیں تھے، وہ آزادانہ طریقے سے کوئی لین دین نہیں کر سکتی تھی۔ وہ باپ کی پھر شوہر کی اور اس کے بعد اولادِ نرینہ کی تابع اور محکوم تھی۔ اس کی کوئی اپنی مرضی نہیں تھی اور نہ ہی اسے کسی پر کوئی اقتدار حاصل تھا یہاں تک کہ اسے فریاد کرنے کا بھی حق حاصل نہیں تھا۔

اسلام نے عورت پر احسان عظیم کیا اسے ذلت و پستی کے گڑھوں سے نکال کر بہترین اور باعزت معاشرتی و سماجی مقام عطا کیا اور اسے بے پناہ حقوق سے نوازا۔ اسے نہ صرف معاشرے میں عزت دی بلکہ اسے وہ آزادی اور برابری بھی عنایت کی جس کی اسے ضرورت تھی۔ جس طرح دیگر معاشروں نے عورت کو کانٹے کی طرح زندگی کی رہ گزر سے مٹانے کی کوشش کی تو اس کے برعکس اسلامی معاشرہ نے بعض حالتوں میں اسے مردوں سے زیادہ فوقیت اور عزت واحترام عطا کیا ہے۔ چنانچہ رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا:

حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا النِّسَاءُ وَالطِّيبُ، وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ[44]

"مجھے دنیا کی چیزوں میں سے عورت اور خوشبو پسند ہے اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔"

گویا آپ نے اعلان فرمایا کہ عورت سے بیزاری اور نفرت کوئی زہد و تقویٰ کی دلیل نہیں، بلکہ انسان خدا کا محبوب اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ اللہ کی تمام نعمتوں کی قدر کرے جن سے اس نے اپنے بندوں کو نوازا ہے، اس کی نظامت اور جمال کا متمنی ہو اور عورتوں سے صحیح و مناسب طریقے سے پیش آنے والا ہو۔

اسی طرح قرآن مجید میں مَردوں کو یہ خصوصی حکم دیا گیا کہ عورتوں کے ساتھ حُسنِ معاشرت کا سختی سے اہتمام کیا جائے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

﴿ وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾[45]

"اور ان عورتوں کے ساتھ حُسنِ معاشرت کے ساتھ زندگی گزارو، اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ممکن ہے کہ تم کوئی چیز ناپسند کرو اور اللہ اس میں خیر کثیر رکھ دے۔"

اسلام نے عورت کی مختلف معاشرتی حیثیتوں میں جو مقام و مرتبہ عطا کیا ہے اس کی نظیر کسی دوسرے مذہب اور تہذیب میں نہیں ملتی۔ عورت اگر ماں ہے تو اس حیثیت سے اس کا نہایت بلند مقام ہے۔ اسی طرح بیوی، بیٹی وغیرہ کی حیثیت سے وہ بہت سے حقوق اور مقام و مرتبے کی مستحق قرار دی گئی ہے۔

### ○ عورت بحیثیتِ ماں

اسلام میں سب سے زیادہ ماں کے ساتھ حسنِ سلوک پر زور دیا گیا ہے۔ ماں کا درجہ سب سے زیادہ بلند رکھا گیا ہے۔ صحیح بخاری میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ:" أُمُّكَ" قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ:" ثُمَّ أُمُّكَ" قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ:" ثُمَّ أُمُّكَ" قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ:" ثُمَّ أَبُوكَ"، وَقَالَ ابْنُ شُبْرُمَةَ، وَيَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ، مِثْلَهُ.[46]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔ پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔ انہوں نے پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری ماں ہے۔ انہوں نے پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تمہارا باپ ہے۔ ابن شبرمہ اور یحییٰ بن ایوب نے بیان کیا، کہا ہم سے ابوزرعہ نے اسی کے مطابق بیان کیا۔

اسی طرح اولاد پر لازم قرار دیا گیا کہ بڑھاپے میں ماں باپ کی خدمت گزاری کی جائے اور انہیں بڑھاپے میں اکیلا چھوڑنے کی بجائے اُس مشکل وقت میں ماں کا سہارا بنے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ:

﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴾[47]

اور نرمی و رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو کہ "پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا"

### ○ عورت بحیثیت بیٹی

اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں بیٹی کو بوجھ سمجھا جاتا تھا اور زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے اس ظلم کو سختی سے ختم کیا اور بیٹی کو مکمل حق حیات دیا اور فرمایا:

﴿ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۔ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ﴾ [48]

اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟

اسلام نے بیٹی کو رحمت قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ سختی، نفرت یا حقارت جائز نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہ کے لیے کھڑے ہو جاتے، انہیں بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے۔ یہ اس بات کا عملی نمونہ ہے کہ بیٹی کے ساتھ عزت و محبت کا سلوک کیا جائے۔

بیٹی کی ضروری جائز خواہشات (لباس، خوراک، رہائش) اخلاقی تربیت باپ کی ذمہ داری ہے یہاں تک کہ اس کی شادی ہو جائے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ، فَأَدَّبَهُنَّ، وَزَوَّجَهُنَّ، وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ [49]

"جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی ان کو تعلیم تربیت دی، ان کی شادی کی اور ان کے ساتھ (بعد میں بھی) حسنِ سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔"

اسلام نے بیٹیوں کی اچھی پرورش پر اجرِ عظیم بلکہ جنت میں جانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

مَا مِنْ رَجُلٍ تُدْرِكُ لَهُ ابْنَتَانِ , فَيُحْسِنُ إِلَيْهِمَا مَا صَحِبَتَاهُ أَوْ صَحِبَهُمَا , إِلَّا أَدْخَلَتَاهُ الْجَنَّةَ [50]

"جس شخص کے پاس دو لڑکیاں ہوں اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک (اچھا برتاؤ) کرے جب تک کہ وہ دونوں اس کے ساتھ رہیں، یا وہ ان دونوں کے ساتھ رہے تو وہ دونوں لڑکیاں اسے جنت میں پہنچائیں گی"۔

### ○ عورت بحیثیت بیوی

عائلی نظام زندگی میں مذہب اسلام نے عورت کو بطور بیوی جس تمدنی قدر و منزلت سے ہمکنار کیا ہے، اس کی چند نمونے حسبِ ذیل ہیں:

- **شوہر کا انتخاب:** شوہر کے انتخاب کے سلسلے میں اسلام نے عورت پر بڑی حد تک آزادی دی ہے۔ نکاح کے سلسلے میں لڑکیوں کی مرضی اور ان کی اجازت کو والدین کے لیے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

لَا تُنْكَحُ الْأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ، وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ [51]

" شوہر دیدہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے مشورہ نہ لیا جائے اور کنواری عورت کا نکاح بھی اس کی اجازت حاصل کیے بغیر نہ کیا جائے۔"

گویا اگر بچپن میں کسی کا نکاح ہو گیا ہو، بالغ ہونے پر لڑکی کی مرضی اس میں شامل نہ ہو تو اسے اختیار ہے کہ اس نکاح کو وہ رد کر سکتی ہے، ایسے میں اس پر کوئی جبر نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر عورت ایسے شخص سے شادی کرنا چاہے جو فاسق ہو یا اس کے خاندان کے مقابل نہ ہو تو ایسی صورت میں اولیاء ضرور دخل اندازی کریں گے۔

- **حق مہر:** عائلی زندگی میں عورت کا حقِ مہر ادا کرنا بھی مرد پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:

﴿ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً‌ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا﴾[52]

"عورتوں کو ان کا حقِ مہر خوشی سے ادا کرو اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ حصہ تمھیں معاف کر دیں تو اس کو خوشی اور مزے سے کھاؤ۔"

خواتین بلاشبہ اس دور میں بہت مظلوم ہیں۔ ایک طرف آزادی کے نام پر عورت کو اس کے فطری تقدس اور عصمت و عفت سے محروم کرنے کی کوششیں جاری ہیں جبکہ دوسری طرف معاشرتی اقدار اور حدود و قیود کی جکڑ بندیوں میں اس کی آزادی اور حقوق کا استیصال ہو رہا ہے۔ عورت کے حقوق و

فرائض کے بارے میں اسلامی تعلیمات و احکام کے حوالہ سے ہمارے ہاں اس قدر ابہام پایا جاتا ہے کہ بسا اوقات عجیب و غریب قسم کی مضحکہ خیز صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ اسلامی احکام میں کوئی ابہام نہیں، وہ قرآن و سنت میں بالکل واضح ہیں لیکن ہم ان تعلیمات سے عام لوگوں کو آگاہ کرنے میں ناکام ہیں۔ اور ابہام کی یہ افسوسناک فضا غلط فہمیوں اور شکوک و شبہات کو جنم دیتی ہے جس سے اسلام دشمن عناصر اسلام کے خلاف اپنی مہم میں فائدہ اٹھاتے ہیں۔

- **عورت کا نان ونفقہ:** عورت کا نان ونفقہ ہر حالت میں مرد کے ذمہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ﴾[53]

خوشحال آدمی اپنی استطاعت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی توفیق کے مطابق معروف طریقے سے نفقہ دے۔

بیوی کے نان نفقے اور خواتین کی ضروریات کی تکمیل و انتظامات کے سلسلے میں شوہر کے کردار کو بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَ الّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَ اضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾[54]

"مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس واسطے کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے اور اس واسطے کہ انھوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں پھر جو عورتیں نیک ہیں وہ تابعدار ہیں مردوں کے پیٹھ پیچھے اللہ کی نگرانی میں (ان کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتوں سے تمھیں سرکشی کا خطرہ ہو تو انھیں سمجھاؤ اور سونے میں جدا کر دو اور مارو پھر اگر تمھارا کہا مان جائیں تو ان پر الزام لگانے کے لیے بہانے مت تلاش کرو بیشک اللہ سب سے اوپر بڑا ہے"۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ نہ صرف مرد کے گھریلو کردار کی نشاندہی کرتی ہے بلکہ عورت کے حق نفقہ کے وجوب پر بھی دلالت کرتی ہے، (چاہے عورت کا کوئی اور ذریعہ معاش ہو یا نہ ہو)۔ آج کل عورت کا اپنا ذریعہ معاش ہونے کی صورت میں بعض لوگ ان کے نفقہ کو ضروری خیال نہیں کرتے، حالانکہ عورت کا نفقہ ہر حال میں شوہر پر واجب ہوتا ہے۔ عورت کے ضروریات زندگی اور نان نفقے سے مرد کی لاپرواہی کا انجام بسا اوقات کئی تلخ حقائق کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

عورت کے نان نفقہ کے بارے میں قرآن پاک میں ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا﴾[55]

"گنجائش والے کو چاہیے کہ وہ خرچ کرے اپنی گنجائش کے مطابق اور جس پر اس کی روزی تنگ کر دی گئی ہو تو اس کو چاہیے کہ وہ (اپنی حیثیت کے مطابق) اسی میں سے خرچ کرے جو کہ اللہ نے اسے دے رکھا ہے اللہ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اتنا ہی جتنا کہ اس نے اسے دے رکھا ہوتا ہے بعید نہیں کہ اللہ پیدا فرمادے (اپنی عنایت سے) تنگی کے بعد آسانی۔"

مذکورہ آیت کریمہ میں بھی نفقہ کے حوالے سے شوہروں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"أي :لينفق الزوج على زوجته، وعلى ولده الصغير على قدر وسعه، حتى يوسع عليهما إذا كان موسّعاً عليه .ومن كان فقيراً فعلى قدر ذلك."[56]

"آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی اور چھوٹے بچے پر اپنی بساط کے مطابق خرچ کرے اور اگر شوہر کو مالی فراخی حاصل ہو تو فراخی کے ساتھ ان پر خرچ کرے اور اگر تنگ دست ہو تو مالی وسعت کے مطابق خرچ کرے۔"

آج کل ہمارے معاشرے میں بعض حضرات والدین اور دوسرے رشتہ داروں پر تو مال خرچ کرنے کو بڑا فخر سمجھتے ہیں لیکن بیوی کے نفقہ اور جیب خرچ کے بارے میں عموماً غافل رہتے ہیں، حالانکہ بیوی کا نفقہ ان آیات کریمہ کی روشنی میں واجب ہے جب کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں پر مال خرچ کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص مفلس اور غریب ہے تو انھیں والدین پر خرچ کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ تاہم بیوی کے نفقہ کے معاملہ میں اگر وہ مفلس بھی ہو جائے پھر بھی قرضہ وغیرہ لے کر اس کا انتظام بہر حال کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ وہ عورت اس کے بارے میں قانونی چارہ جوئی کا اختیار رکھتی ہے۔

- **حسنِ سلوک کا حق:** اسلام نے عورت کے حقوق کی ادائیگی پر اس قدر زور دیا کہ سب سے بہترین شخص اُسے قرار دیا گیا جو اپنی اہلیہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اس حوالے سے آپ ﷺ کا فرمان ہے:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي [57]

"تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں، تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں اچھے ہیں یعنی اپنے اہل و عیال سے لطف و مہربانی کا سلوک کرنے والے ہیں اور خود میں اپنے اہل و عیال کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔"

مغربی تہذیب بھی عورت کو کچھ حقوق دیتی ہے؛ مگر عورت کی حیثیت سے نہیں؛ بلکہ یہ اس وقت اس کو عزت دیتی ہے، جب وہ ایک مصنوعی مرد بن کر ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے پر تیار ہو جائے، مگر نبی کریم ﷺ کا لایا ہوا دین عورت کی حیثیت سے ہی اسے ساری عزتیں اور حقوق دیتا ہے اور وہی ذمہ داریاں اس پر عائد کی جو خود فطرت نے اس کے سپرد کی ہے۔[58]

عام طور پر کمزور کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے کافی محنت و کوشش کرنی پڑتی ہے۔ تب کہیں جا کر ان کو ان کے جائز حقوق ملتے ہیں، ورنہ تصور بھی نہیں کیا جاتا۔ موجودہ دور نے اپنی بحث و تمحیص اور احتجاج کے بعد عورت کے کچھ بنیادی حقوق تسلیم کیے اور یہ اس دور کا احسان مانا جاتا ہے؛ حالاں کہ یہ احسان اسلام کا ہے، سب سے پہلے اسی نے عورت کو وہ حقوق دیے جس سے وہ مدتِ دراز سے محروم چلی آ رہی تھی۔ یہ حقوق اسلام نے اس لیے نہیں دیے کہ عورت اس کا مطالبہ کر رہی تھی؛ بلکہ اس لیے کہ یہ عورت کے فطری حقوق تھے اور اسے ملنا ہی چاہیے تھا۔ اسلام نے عورت کا جو مقام و مرتبہ معاشرے میں متعین کیا، وہ جدید و قدیم کی بے ہودہ روایتوں سے پاک ہے، نہ تو عورت کو گناہ کا پُتلا بنا کر مظلوم بنانے کی اجازت ہے اور نہ ہی اسے یورپ کی سی آزادی حاصل ہے۔[59]

## اسلامی معاشرت میں عورت کے حقوق

اسلام نے عورت کو معاشرے میں نہ صرف عزت و مقام دیا بلکہ اسے ان تمام حقوق سے نوازا جن کی وہ حق دار تھی۔ اسلام نے عورت کو جو حقوق عطا کیے ان کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

- **یکساں انسانی حیثیت اور وقار کا حق:** اسلام نے عورت پر سب سے پہلا احسان یہ کیا کہ عورت کی شخصیت کے بارے میں مرد و عورت دونوں کی سوچ اور ذہنیت کو بدلا۔ انسان کے دل و دماغ میں عورت کا جو مقام و مرتبہ اور وقار ہے اس کو متعین کیا۔ اس کی سماجی، تمدنی، اور معاشی حقوق کا تعین کیا۔ قرآن میں ارشاد ربانی ہے:

﴿ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا ﴾[60]

"اللہ نے تمھیں ایک انسان (حضرت آدم) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو بنایا۔"

گویا بحیثیتِ انسان مرد و عورت دونوں برابر ہیں اور مرد کی مردانگی قابلِ فخر ہے، نہ عورت کی نسوانیت باعثِ عار اور بحیثیتِ انسان دونوں برابر عزت و شرف کے حامل ہیں جو اپنی خوبیوں اور خصوصیات کے اعتبار سے ساری کائنات کی محترم بزرگ ترین ہستی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے کہ:

﴿وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾ [61]

"ہم نے بنی آدم کو بزرگی و فضیلت بخشی اور انھیں خشکی اور تری کے لیے سواری دی۔ انھیں پاک چیزوں کا رزق بخشا اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سی چیزوں پر انھیں فضیلت دی۔"

گویا آدم کو جملہ مخلوقات پر فضیلت بخشی گئی اور انسان ہونے کی حیثیت سے جو سرفرازی عطا کی گئی اس میں عورت برابر کی حصے دار ہے۔

- **تعلیم وتربیت کا حق:** اسی طرح اسلام نے علم کو فرض قرار دیا اور مرد و عورت دونوں کے لیے اس کے دروازے کھولے اور جو بھی اس راہ میں رکاوٹ و پابندیاں تھیں، سب کو ختم کر دیا۔ اسلام نے لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ دلائی اور اس کی ترغیب دی، جیسا کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

  طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ[62]

  "علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر لازم ہے۔"

یعنی مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی حصولِ علم کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ اسے دونوں کے لیے یکساں طور پر فریضہ قرار دیا گیا۔

- **حق وراثت:** اسلام سے پہلے دُنیا کے اکثر مذاہب میں خواتین کا میراث میں کوئی حق نہیں سمجھا جاتا تھا، عربوں کا خیال تھا کہ جو لوگ قبیلہ کی مدافعت کر سکتے ہوں اور لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، وہی میراث پانے کے حق دار ہیں۔ یہودیوں میں سارا ترکہ پہلوٹھے کا حق مانا جاتا تھا، ہندوؤں کے یہاں بھی عورت کا میراث میں کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا، یہاں تک کہ اُنیسویں صدی تک یورپ میں عورتوں کو میراث میں کوئی حصّہ نہیں ملتا تھا، برطانیہ میں جون 1866ء میں شادی شدہ عورتوں کے حقوق وراثت کی قرارداد پیش کی گئی۔ بالآخر چار سال بعد عورتوں کے حقوق وراثت کے حوالے سے Married Women's Property Act 1870 منظور ہوا اور بعد ازاں شادی شدہ عورت کو خاوند کی وراثت کا حق دار ٹھہرایا گیا اس سے قبل عورت کے پاس جو کچھ بھی ہوتا خاوند کا ہی تھا۔[63]

اسلام نے جہاں مرد رشتہ داروں کو حصہ دار بنایا، وہیں ان کی ہم درجہ خواتین کو بھی میراث کا مستحق قرار دیا، والد کی طرح والدہ کو، بیٹے کی طرح بیٹی کو، بھائی کی طرح بہن کو، شوہر کی طرح بیوی کو وغیرہ، آج پوری دُنیا میں خواتین کو جو ترکہ کا مستحق مانا جاتا ہے، وہ دراصل شریعت اسلامی کا عطیہ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کے تمام اصول کو واضح طور پر بیان کرکے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ میت کے ترکے سے (کم ہو یا زیادہ) ہر وارث کو حق دے۔ قرآن مجید میں ترکہ کو ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ﴾[64] "یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا ہوا حکم" کہا گیا ہے اور ترکہ کے احکام بیان کرنے کے بعد کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو،[65] اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو جو کچھ حق میراث ملتا ہے وہ اس کے مرد رشتہ دار نہیں دیتے ہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا حصہ ہے، اس میں کمی بیشی کرنا اللہ تعالیٰ کے حق میں دخل دینے کے مترادف ہے۔ حالانکہ قرآن مجید نے عورتوں میں تقسیم میراث کے احکام متعین اور دو اور دو چار کی طرح بالکل مقرر کر دیئے ہیں، اس میں کوئی الجھاؤ اور شبہ تک نہیں چھوڑا۔ اس کے باوجود ہمارے معاشروں میں عورت کو عموماً میراث سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

اسلام نے نہ صرف یہ کہ عورت کو مرد کی طرح میراث کا حق عطا کیا بلکہ کئی مواقع میں عورت کو مرد سے بھی زیادہ حصّہ سے نوازا۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کے ورثاء میں بیوی، بیٹی، ماں اور ایک سگا بھائی شامل ہو تو کل ترکہ کو چوبیس (24) حصّوں میں تقسیم کیا جائے گا جن میں سے تین حصّے بیوی کو، چار حصے ماں کو، پانچ حصے سگے بھائی کو اور بیٹی کو بارہ حصّے ملیں گے۔ یہاں پر عورت (یعنی بیٹی) کو مرد (یعنی سگے بھائی) سے زیادہ حصّہ ملتا ہے، اسی طرح اگر کسی عورت کے ورثاء میں شوہر، بیٹی، سگی بہن شامل ہوں تو اس کے ترکہ کو چار حصّوں میں تقسیم کیا جائے گا، جن مین سے شوہر کو ایک حصّہ، بیٹی کو دو حصّے اور سگی بہن کو ایک حصّہ ملے گا۔ معلوم ہوا کہ یہاں بھی عورت (یعنی بیٹی) کو مرد (یعنی شوہر) سے زیادہ حصّہ ملتا ہے۔[66]

- **حق تصرف:** اس طرح عورت کو مہر سے اور وراثت سے جو کچھ مال ملے، وہ پوری طرح سے اس کی مالک ہے؛ کیوں کہ اس پر کسی بھی طرح کی معاشی ذمہ داری نہیں ہے؛ بلکہ وہ سب سے حاصل کرتی ہے؛ اس لیے یہ سب اس کے پاس محفوظ ہے۔ اگر مرد چاہے تو اس کا وراثت میں دوگنا حصہ ہے، مگر اسے ہر حال میں عورت پر خرچ کرنا ہوتا ہے، لہٰذا اس طرح سے عورت کی مالی حالت (اسلامی معاشرہ میں) اتنی مستحکم ہو جاتی ہے کہ کبھی کبھی مرد سے زیادہ بہتر حالت میں ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنے مال کو جہاں چاہے خرچ کرے، اس پر کسی کا اختیار نہیں، چاہے تو اپنے شوہر کو دے یا اپنی اولاد کو یا پھر کسی کو ہبہ کرے یا خدا کی راہ میں دے یہ اس کی اپنی مرضی ہے اور اگر وہ از خود کماتی ہے تو اس کی مالک بھی وہی ہے؛ لیکن اس کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب ہے،

چاہے وہ کمائے یا نہ کمائے۔ اس طرح سے اسلام کا عطا کردہ معاشی حق عورت کو اتنا مضبوط بنا دیتا ہے کہ عورت جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے؛ جب کہ عورت ان معاشی حقوق سے کلیتاً محروم ہے۔

# نتائج بحث

1. تاریخی مطالعے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ قدیم تہذیبوں (یونانی، رومی، ہندو) میں عورت کو انسانی وقار سے محروم رکھا گیا اور اسے غلام، ملکیت یا تفریح کا ذریعہ سمجھا گیا۔ عورت کو قانونی، معاشی اور اخلاقی حقوق حاصل نہ تھے، حتیٰ کہ اسے خرید و فروخت اور قتل تک کا نشانہ بنایا جا سکتا تھا۔

2. ہندو معاشرے میں عورت کو مستقل وجود حاصل نہ تھا۔ رسمِ ستی اور وراثت سے محرومی اس کے مظلوم ہونے کا واضح ثبوت ہے۔ اسی طرح یہودی اور عیسائی معاشروں میں عورت کو گناہ کا سرچشمہ قرار دیا گیا اور اسے مرد کی مکمل محکوم اور غلام بنا دیا گیا۔ موجودہ مغربی معاشرہ بظاہر عورت کو آزادی دیتا ہے، لیکن درحقیقت یہ آزادی عورت کو تحفظ، سکون اور خاندانی استحکام فراہم کرنے میں ناکام رہی ہے۔

3. قبل از اسلام عرب معاشرے میں عورت کی حالت نہایت ابتر تھی، بیٹی کو ذلت سمجھا جاتا اور زندہ دو گور کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے عورت کو بحیثیتِ انسان مرد کے برابر عزت، وقار اور مقام عطا کیا۔

4. اسلام نے ماں کی خدمت پر بہت زیادہ زور دیا اور اسے جنت میں داخلے کا اہم ذریعہ قرار دیا۔ بیٹی کو رحمت قرار دے کر اس کے حقِ حیات، پرورش اور عزت کا مکمل تحفظ کیا۔ عورت کو بطورِ بیوی نکاح میں رضامندی، حقِ مہر، نان و نفقہ اور حسنِ معاشرت جیسے بنیادی حقوق عطا کیے۔ عورت کو تعلیم، وراثت اور ملکیت کے واضح اور محفوظ حقوق دیے، جو دیگر تہذیبوں میں ناپید تھے۔ عورت کو یکساں انسانی شرف اور وقار و احترام سے نوازا گیا۔

5. اسلامی معاشرت عورت کو نہ گناہ کا پیکر بناتی ہے اور نہ ہی فطرت کے خلاف آزادی دیتی ہے، بلکہ اعتدال اور توازن پر مبنی نظام پیش کرتی ہے۔ لہٰذا عورت کے حقیقی حقوق، خاندانی استحکام اور معاشرتی توازن کا قیام صرف اسلامی نظامِ حیات میں ہی ممکن ہے۔

## حواشی و حوالہ جات

1 سعید، امر علی، عورت اسلام کی نظر میں، (لاہور: آئینہ ادب، 1976ء)، 29

2 خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، 462

3 گستاؤلی بان، ڈاکٹر، تمدن عرب (مترجم: سید علی بلگرامی)، (حیدر آباد دکن، ۱۹36ء)، 373

4 گستاؤلی بان، ڈاکٹر، تمدن عرب (مترجم: سید علی بلگرامی)، 377

5 الازہری، محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء النبی، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 1994ء)، ۱:۱۱۱

6 صارم، عبد الصمد، مقالات صارم، (لاہور: حجازی پریس، س۔ن)، 85

7 ایس، ایم، ناز۔ ڈاکٹر، اسلام میں عورت کی قیادت، (لاہور: مکتبہ عالیہ، 1994ء)، 50

8 لیکی، تاریخ اخلاق یورپ (اردو)، مترجم: عبد الماجد دریا آبادی، (اورنگ آباد، دکن، 1932ء)، 2:190

9 آزاد، ابو الکلام، مسلمان عورت، (فیصل آباد: طارق اکیڈیمی، 2002ء)، 120

10 ندوی، عبد القیوم، مولانا، اسلام اور عورت، (لاہور: البدر پبلی کیشنز، 1983ء)، 25

11 جلال الدین، سید، عورت اسلامی معاشرے میں، (لاہور: آئینہ ادب، 1976ء)، 19

12 القرآن، النحل، ۱۶:58۔59

13 القرآن، الاسراء، 17:40

14 القرآن، الصافات، 37:۱۴۹، ۱۵۰

15 القرآن، الزخرف، 19:43ا

16 مودودی، ابو الاعلی، سید، سیرت سرور عالم، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1999ء)، 590:1

17 صارم، عبد الصمد، مقالات صارم، 88

18 محمد صلیبی، ڈاکٹر، میراث المراۃ فی الاسلام، (مصر: جامعۃ النَّجاحِ الوطنیۃ، 1419ھ / 1998م)، 2

19 معاذ حسن، جنسی تعلقات۔ اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں، (لاہور: دار الکتاب، 2000ء)، 22

20 ایضاً، 31

21 تحریک نسواں، نظریات و اثرات، مشمولہ ماہنامہ "محدث"، لاہور، اپریل 2000ء، ٥٦

22 عالمی معاشرے میں شادی اور خاندان کا مرکزی کردار، مشمولہ ماہنامہ "ترجمان القرآن"، لاہور، مارچ، 2001ء، 41

23 شاہدہ پروین، ڈاکٹر، عصری عائلی مسائل اور اسلامی تعلیمات، 23

24 مولانا مودودی، ابو الاعلی، اسلام اور مسلم خواتین، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1999ء)، ٦8

25 ادھیائے 5، شلوک: 155 مکتبہ، نادارد

26 ادھیائے: 9، شلوک 2-4

27 البیرونی، ابوریحان محمد، کتاب الہند، (مترجم: سید اصغر علی)، (لاہور: الفیصل ناشران، 1994ء)، 334:2

28 خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، 468

29 جعفر حسین، ہندوئی ساجیات، (دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند) س۔ن)، 67

30 عہد نامہِ قدیم، کتب پیدائش، باب: 3، آیات 11-16، ص، بائبل سوسائٹی، لاہور، 1993ء

31 ایم عبد الرحمٰن، عورت انسانیت کے آئینے میں، (لاہور: ثناء اللہ خان، 1957ء)، 882

32 عہد نامہِ قدیم، کتاب اِستثنا، باب: 24، آیت: 1

33 ندوی، عبد القیوم، مولانا، اسلام اور عورت، (لاہور: البدر پبلی کیشنز، 1983ء)، 25

34 ظہوری، عبد الوہاب، اسلام کا نظامِ حیات، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1982ء)، 174

35 صلاح الدین حیدر، اسلام کا قانون وراثت، (لاہور: دار الابلاغ، جولائی 2010ء)، 31

36 مسعود شمعون، کتاب الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ للاسرائیلین، (مصر: مطبعہ کوھین وروزنتال، 1912م)، 173

37 صلاح الدین حیدر، اسلام کا قانون وراثت، 31

38 محمد صلیبی، ڈاکٹر، میراث المراۃ فی الاسلام، (مصر: جامعۃ النَّجاحِ الوطنیۃ، 1419ھ / 1998م)، 4

39 کتاب استثنا، باب: 25، آیات: 5-9

40 عہد نامہ جدید، باب 11، آیات 8 تا 11

41 ایضاً، باب 2، آیات نمبر 11 تا 14

42 ندوی، معین الدین احمد، شاہ، دین رحمت، (کراچی: مکتبۂ عارفین، 1967ء)، 106

43 صارم، عبد الصمد، مقالات صارم، 84

44 النسائی، ابی عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی الشہیر، سنن نسائی، باب حب النساء، رقم الحدیث: 3939

45 القرآن، النساء، 4: 19

46 البخاری، محمد بن عبد اللہ، صحیح بخاری، کتاب الادب، حدیث نمبر: 5971

47 بنی اسرائیل 24:17

48 التکویر 81:8-9

49 ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، باب فی فضل من عال یتامی، رقم الحدیث: 5149

50 ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب بر الوالد والاحسان الی البنات، حدیث 3670

51 القشیری النیسابوری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق، رقم الحدیث: 1419

52 القرآن، النساء، 4:4

53 القرآن، البقرہ ۲:۲۳۶

54 القرآن، النساء۴: ۳۴

55 القرآن، الطلاق۶۵: 7

56 قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحییٰ بن مفرج اموی، الجامع لاحکام القرآن، (بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، س ن)، 4: 469

57 الترمذی، محمد بن عیسی، سنن ترمذی، اَبْوَابُ الرَّضَاعِ عَنْ رَسُولِ اللہ صَلَّی اللہ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، باب فضل ازواج النبی صَلَّی اللہ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، رقم الحدیث: 3895

58 علوی، ثریا بتول، اسلام میں عورت کا مقام، (نئی دہلی: اسلامک بک فاؤنڈیشن، 1993ء)، 15

59 علوی، ثریا بتول، اسلام میں عورت کا مقام، 29-30

60 القرآن، النسا، 4: 1

61 القرآن، بنی اسرائیل، 17: 70

62 ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، (مصر: مکتبہ ابی المعاطی، س۔ن)، رقم الحدیث: 224

63 Married_Women%27s_Property_Act_1870

64 القرآن، النساء۴: 11

65 القرآن، النساء۴: 13

66 السباعی، مصطفیٰ، المرأۃ بین الفقہ والقانون، (السعودیۃ: مکتبۃ الوراق للنشر والتوزیع، 1999م)، 29

## Transliterated Reference:


1. **Saʿīd, Amr ʿAlī**, *Aurat Islām kī Naẓar Mein* (Lahore: Āʾīnah Adab, 1976), p. 29.
2. **Alvī, Khālid**, *Islām kā Muʿāsharatī Niẓām*, p. 462.
3. **Bān, Gustāw Le Bon**, *Tamaddun-e-ʿArab* (trans. Sayyid ʿAlī Balgrāmī) (Hyderabad Deccan, 1936), p. 373.
4. **Bān, Gustāw Le Bon**, *Tamaddun-e-ʿArab* (trans. Sayyid ʿAlī Balgrāmī), p. 377.
5. **Al-Azhari, Muḥammad Karam Shāh Pīr**, *Ḍiyāʾ al-Nabī* (Lahore: Ḍiyāʾ al-Qurʾān Publications, 1994), vol. 1, p. 111.
6. **Ṣārim, ʿAbd al-Ṣamad**, *Maqālāt-e-Ṣārim* (Lahore: Ḥijāzī Press, n.d.), p. 85.
7. **Naz, S. M. (Dr.)**, *Islām Mein Aurat kī Qiyādat* (Lahore: Maktabah ʿĀliyah, 1994), p. 50.
8. **Lecky**, *Tārīkh-e-Akhlaq-e-Yūrop* (Urdu trans. ʿAbd al-Mājid Daryābādī) (Aurangabad Deccan, 1932), vol. 2, p. 190.
9. **Āzād, Abū al-Kalām**, *Muslim Aurat* (Faisalabad: Ṭāriq Academy, 2002), p. 120.
10. **Nadwī, ʿAbd al-Qayyūm**, *Islām aur Aurat* (Lahore: al-Badr Publications, 1983), p. 25.
11. **Jalāl al-Dīn, Sayyid**, *Aurat Islāmī Muʿāshray Mein* (Lahore: Āʾīnah Adab, 1976), p. 19.
12. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Naḥl 16:58–59.
13. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Isrāʾ 17:40.
14. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Ṣāffāt 37:149–150.
15. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Zukhruf 43:19.
16. **Mawdūdī, Abū al-Aʿlā**, *Sīrat-e-Sarwar-e-ʿĀlam* (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, 1999), vol. 1, p. 590.
17. **Ṣārim, ʿAbd al-Ṣamad**, *Maqālāt-e-Ṣārim*, p. 88.
18. **Ṣulaybī, Muḥammad (Dr.)**, *Mīrāth al-Marʾah fī al-Islām* (Egypt: Jāmiʿat al-Najāḥ al-Waṭaniyyah, 1419 AH / 1998 CE), p. 2.
19. **Ḥasan, Muʿādh**, *Jinsī Taʿalluqāt: Islām aur Jadīd Science kī Roshni Mein* (Lahore: Dār al-Kitāb, 2000), p. 22.
20. **Ibid.**, p. 31.
21. *Taḥrīk-e-Niswān: Naẓariyāt wa Atharāt, Monthly "Muḥaddith"* (Lahore, April 2000), p. 56.
22. *ʿĀlamī Muʿāshray Mein Shādī aur Khāndān kā Markazī Kirdār, Monthly "Tarjumān al-Qurʾān"* (Lahore, March 2001), p. 41.
23. **Parveen, Shāhida (Dr.)**, *ʿAṣrī ʿĀʾilī Masāʾil aur Islāmī Taʿlīmāt*, p. 23.
24. **Mawdūdī, Abū al-Aʿlā**, *Islām aur Muslim Khawātīn* (Lahore: Idārah Tarjumān al-Qurʾān, 1999), p. 68.
25. *Adhyāy 5, Shlok 155* (publisher unknown).
26. *Adhyāy 9, Shlok 2–4.*
27. **Al-Bīrūnī, Abū Rayḥān Muḥammad**, *Kitāb al-Hind* (trans. Sayyid Aṣghar ʿAlī) (Lahore: al-Faiṣal Nāshirān, 1994), vol. 2, p. 334.
28. **Alvī, Khālid**, *Islām kā Muʿāsharatī Niẓām*, p. 468.
29. **Ḥusayn, Jaʿfar**, *Hindūʾī Samājiyāt* (Delhi: Anjuman Taraqqī-e-Urdu, n.d.), p. 67.
30. **The Old Testament**, *Book of Genesis*, ch. 3, vv. 11–16 (Bible Society, Lahore, 1993).
31. **ʿAbd al-Raḥmān, M.**, *Aurat Insāniyyat ke Āʾīnay Mein* (Lahore: Thanāʾ Allāh Khān, 1957), p. 882.

32. **The Old Testament**, *Book of Deuteronomy*, ch. 24, v. 1.
33. **Ẓuhūrī, ʿAbd al-Wahhāb**, *Islām kā Niẓām-e-Ḥayāt* (Lahore: Idārah Thaqāfat-e-Islāmiyyah, 1982), p. 174.
34. **Ḥaider, Ṣalāḥ al-Dīn**, *Islām kā Qānūn-e-Wirāthat* (Lahore: Dār al-Iblāgh, July 2010), p. 31.
35. **Shamʿūn, Masʿūd**, *al-Aḥkām al-Sharʿiyyah fī al-Aḥwāl al-Shakhṣiyyah lil-Isrāʾīliyyīn* (Cairo: Maṭbaʿah Kohen & Rossenthal, 1912), p. 173.
36. **The Old Testament**, *Book of Deuteronomy*, ch. 25, vv. 5–9.
37. **The New Testament**, ch. 11, vv. 8–11.
38. **Ibid.**, ch. 2, vv. 11–14.
39. **Nadwī, Muʿīn al-Dīn Aḥmad Shāh**, *Dīn-e-Raḥmat* (Karachi: Maktabah ʿĀrifīn, 1967), p. 106.
40. **Al-Nasāʾī**, *Sunan al-Nasāʾī*, Bāb Ḥubb al-Nisāʾ, ḥadīth no. 3939.
41. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Nisāʾ 4:19.
42. **Al-Bukhārī**, *Ṣaḥīḥ al-Bukhārī*, Kitāb al-Adab, ḥadīth no. 5971.
43. **Al-Takwīr**, 81:8–9.
44. **Abū Dāwūd**, *Sunan Abī Dāwūd*, Bāb Faḍl Man ʿĀla Yatāmā, ḥadīth no. 5149.
45. **Ibn Mājah**, *Sunan Ibn Mājah*, Kitāb al-Adab, Bāb Birr al-Wālidayn wa al-Iḥsān ilā al-Banāt, ḥadīth no. 3670.
46. **Muslim b. Ḥajjāj**, *Ṣaḥīḥ Muslim*, Bāb Istiʾdhān al-Thayyib fī al-Nikāḥ, ḥadīth no. 1419.
47. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Nisāʾ 4:4.
48. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Baqarah 2:236.
49. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Nisāʾ 4:34.
50. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Ṭalāq 65:7.
51. **Al-Qurṭubī**, *al-Jāmiʿ li-Aḥkām al-Qurʾān* (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, n.d.), vol. 4, p. 469.
52. **Al-Tirmidhī**, *Sunan al-Tirmidhī*, Abwāb al-Riḍāʿ, ḥadīth no. 3895.
53. **ʿAlvī, Thurayyā Batūl**, *Islām Mein Aurat kā Maqām* (New Delhi: Islamic Book Foundation, 1993), p. 15.
54. **ʿAlvī, Thurayyā Batūl**, *Islām Mein Aurat kā Maqām*, pp. 29–30.
55. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Nisāʾ 4:1.
56. **Al-Qurʾān**, Sūrat Banī Isrāʾīl 17:70.
57. **Ibn Mājah**, *Sunan Ibn Mājah*, ḥadīth no. 224.
58. **Married Women's Property Act**, 1870.
59. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Nisāʾ 4:11.
60. **Al-Qurʾān**, Sūrat al-Nisāʾ 4:13.
61. **Al-Sibāʿī, Muṣṭafā**, *al-Marʾah bayna al-Fiqh wa al-Qānūn* (Saudi Arabia: Maktabat al-Warrāq, 1999), p. 29.